R. N. 2186/57.

Regd. No. A. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Telephone No. 29

Telegrams: "ANJUMAN"

قیمت
سالانہ [illegible] روپے
ایک پرچہ
دس نئے پیسے
تاریخ اشاعت
[illegible]

جلد ۲۰ - شمارہ ۳۴ | ایڈیٹر - آل احمد سرور | علی گڑھ - ۸ ستمبر ۱۹۶۱ء

اسلوب احمد انصاری

ادب کی نئی ذمہ داریاں

ادب کی بحث کے سلسلے میں یہ بات ہزاروں دفعہ کہی گئی ہے کہ اس کا تعلق انسان کی زندگی اور اس کے تجربات سے بہت گہرا اور قریبی ہے۔ انسان نے اپنی لمبی تاریخ کے دوران میں اب تک جو کچھ سوچا ہے، جو کچھ پایا ہے، جیسے جیسے خواب دیکھے ہیں، فطرت کو اپنے مقاصد کے مطابق ڈھالنے کے لئے جو جد و جہد کی ہے، سماج کے ڈھانچے میں رفتہ رفتہ جو تبدیلیاں آئی ہیں، ان کے ذریعہ آپس کے رشتوں اور ناتوں میں جو الجھاؤ پیدا ہوئے ہیں، اندرونی شر اور بیرونی شر پر فتح پانے کی جو کوشش انسان نے کی ہے۔ اس تمام کوشش اور عمل کے دوران میں جو انسانی قدریں ابھری ہیں، اور ان میں اس کا یقین جس حد تک برقرار رہا ہے یا بعض دفعہ متزلزل ہو گیا ہے، ان سب کا عکس ہمیں ادب کے اندر نظر آتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا شاید غلط نہ ہو کہ ادب ایک ہی وقت میں انسان کے تجربہ اور عمل، اور اس کے عزائم اور آرزوؤں کے سامنے ایک آئینہ رکھ دیتا ہے۔ انسان نے اب تک جو کچھ حاصل کیا ہے، یا آج اس لمحہ وہ جو کچھ پانے کے جتن میں لگا ہوا ہے یا ماضی اور حال کے سرمایہ کو لگا کر مستقبل میں جو کچھ اپنانے کے لئے تگ و دو کرے گا، ان سب کی ایک تصویر بھی تو ترشی ہوئی، اور حواس اور روح کو آسودہ کرنے والی تصویریں ادب کے چوکٹے میں نظر آتی ہے۔ انگریزی کے ایک بہت بڑے شاعر ولیم بلیک نے اپنی ایک نظم میں شاعر کے متعلق کہا ہے کہ وہ بیک وقت حال، ماضی اور مستقبل میں بصیرت رکھتا ہے۔ جو بات شاعر کے بارے میں کہی گئی ہے، وہ پورے ادب پر بھی صادق آتی ہے۔ یونان کے مشہور حکیم ارسطو نے کہا تھا کہ شاعری، تاریخ کے مقابلے میں زیادہ گہرا اور فلسفیانہ عمل ہے۔ تاریخ کے بہت سے عالم آج ارسطو کی اس بات کو شاید نہ مانیں، کیونکہ یونانیوں کا تاریخ کا تصور محدود تھا۔ وہ تاریخ کو ایک مادی حقیقت سمجھنے کی بجائے اسے گذرے ہوئے واقعات کی ایک بے روح کھتونی سمجھتے تھے، اور نہ ان اسباب پر نظر رکھتے تھے جو تاریخ کی تہ میں کارفرما ہوتے ہیں، اور نہ تاریخی عمل و دور سے عام نتائج نکال کر مستقبل کے متعلق پیشین گوئی کرنے کی طرف مائل تھے۔ آج ان مسائل پر غور کرنے والے تاریخ کو مختلف زاویۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ ادب کی خصوصیت یہ ہے، کہ وہ کسی قوم کا حافظہ بھی ہوتا ہے، اس کے عمل کا پیمانہ بھی، اور اس کے خوابوں کا عکس بھی۔ ہم کسی قوم کے ادب کے مطالعہ سے اس قوم کی تاریخ تک بھی پہنچ سکتے ہیں، یہ بھی محسوس کر سکتے ہیں کہ وہ آج تہذیب اور ترقی کی کس منزل پر کھڑی ہے، اور یہ بھی قیاس کر سکتے ہیں کہ کل حیات و کائنات کی آئندہ سمت و رفتار کیا ہو گی؟

ادب کے بارے میں ابھی جو کچھ کہا گیا، وہ ایک آئیڈیل کی حیثیت رکھتا ہے، اور ایک زندہ قوم کے ادب کے سلسلے میں یقیناً صحیح ہے، لیکن قوموں کی زندگی میں ایسے دور بھی آتے ہیں، جب وہ سیاسی اور اسی لئے یا اس کے علاوہ ذہنی اور روحانی ابتری اور خلفشار میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ ایسی حالت میں زندگی کے سوتے خشک ہو جاتے ہیں، ماضی کی روایات کی طرف تحیر اور تفخر کا رویہ پیدا ہوتا ہے، حال اور مستقبل کو بنانے اور سنوارنے کے لئے جس بے پایاں عزم اور گہرے اور سچے جذبہ کی ضرورت ہوتی ہے وہ سرد پڑ جاتا ہے، اعلیٰ انسانی اقدار میں یقین کمزور ہو جاتا ہے، اور اسی لئے جب زندگی خوشگوار یادوں، عمل کی توانائیوں اور خوابوں کی لطافت اور سرمستی سے محروم ہو جاتی ہے تو ادب پر بھی مردنی چھا جاتی ہے۔ پھر ادب کسی قوم کا حافظہ اور ضمیر نہیں رہتا، محض سستی عیش پسندی کا آلہ کار بن جاتا ہے۔ انسانی تجربات، احساسات اور آرزوؤں سے زیادہ اس میں مافوق الفطرت قوتوں کا عمل دخل ہو جاتا ہے۔ اس میں یادوں کا تعلق حقیقتوں سے، تخیل کا قوت فیصلہ سے، اور خوابوں کا اقدار سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اس میں زبان کو وظیفہ لفظی بازیگری سمجھا جانے لگتا ہے، عام فہم اشارے، مخصوص اور پُر اسرار اشاروں میں بدل جاتے ہیں۔

اور ادب فنکار کے لئے صرف اپنے آپ کو نمایاں کرنے، اپنی خیالی جنت میں آباد رہنے اور زبان کو صرف آرائشِ بیان کے لئے استعمال کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ زندگی اور ادب کے کسی بھی ایسے دور کو ہم بحرانی دور کہہ سکتے ہیں، جس میں فرد جماعت سے الگ ہو کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا لیتا ہے، اور اپنے یا اپنے اردگرد چھوٹے سے حلقہ کے لئے لکھ کر یہ سمجھتا ہے کہ بحیثیت فنکار اس کا فرض پورا ہو گیا۔

ہمارے ملک اور ادب میں بھی یہی صورتِ حال عرصہ تک رہی ہے کیونکہ برطانیہ کی غلامی کا جوا طویل مدت تک ہندوستان کے کندھوں پر رکھا رہا، اس سے ذہنی پراگندگی پیدا ہوئی، عمل کی قوتیں شل ہو گئیں، پرانی قدریں اور روایتیں عزیز نظر آتی رہیں، زبان و بیان کے سانچے ایسے مقرر ہوئے کہ ان سے سرمو انحراف بھی ناروا سمجھا گیا۔ ہمارے ادب میں انحطاط پسندی، افسردگی اور پست ہمتی کی جو زیریں لہر ہے وہ براہِ راست سیاسی انتشار اور زندگی کی ناکامی سے پیدا ہوئی۔ اسی انحطاط پسندی کی وجہ سے یہ خیال بھی عام ہوا، کہ ادب تمام تر فردی کا معاملہ ہے اور تمام تر وجدان ہی کی پیداوار ہے۔ لیکن ۱۹۴۷ء میں آزادی کے حصول کے بعد ظاہر ہے، کہ زندگی کا نقشہ بدلا، سیاسی خود مختاری نے اس بیرونی چوکھٹے کو تبدیل کر دیا، جس میں ادب کی تصویر جڑی جاتی ہے۔ زندگی کے ہیولے کی یہ تبدیلی اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ ادب اور ادیب کی نئی ذمہ داریوں پر سنجیدگی کے ساتھ غور کیا جائے۔

نئے علوم کی دریافت نے اس خیال کا پرچار کیا، کہ ادب ایک سماجی عمل ہے اگر یہ دوسرے سماجی اعمال کی نسبت لطیف تر، نازک تر اور پیچیدہ تر عمل ہے۔ ادب میں فنکار کی شخصیت اور اس کے نقطۂ نظر کا پرتو جھلکنا ضروری ہے، لیکن یہ شخصیت اور یہ نقطۂ نظر خلا میں وجود نہیں رکھتے، بلکہ پوری سماجی حیثیت سے بے شمار نقطوں پر ارتباط رکھتے ہیں۔ آج ہم اپنے اس بڑے ملک میں ایک نئی معاشرت کی تعمیر کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ یہ تعمیر کچھ ماضی کی روایات کی بنیاد پر ہو گی، اور کچھ حال اور مستقبل کی ضروریات کے شعور پر۔ اس کے لئے ایک طرف ہمیں ماضی کے ورثہ کو کھنگال کر اس کے مفید اور جاندار عناصر کو اپنے اندر جذب کرنے کی ضرورت ہے، اور دوسری طرف موجودہ دور کے تقاضوں کو سامنے رکھنے کی۔ اب دنیا کے مختلف ممالک بھی اس طرح ایک دوسرے سے الگ تھلگ نہیں ہیں جیسا کہ پہلے تھے۔ اس طرح مشرق اور مغرب کا پورا تہذیبی سرمایہ دنیا کے ایک ایک ملک کے کام آ سکتا ہے۔ تہذیب کی دولت میں لین دین کا یہ اصول ہمیشہ کارفرما رہا ہے، اور آج بھی ہے۔ اس لئے نئے ادیب ان تجربات سے بے نیاز نہیں رہ سکتے، جو دوسری زبانوں میں کئے جا رہے ہیں۔

ہر زبان کے ادب کا ایک آفاقی ضمیر ہوتا ہے اور ایک مقامی۔ اگر ادب زندگی کا داخلی اور سچا عکس ہے، تو ادیبوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے، کہ وہ جس ادب کی تخلیق کر رہے ہیں اور اسے پروان چڑھا رہے ہیں، اس میں ہندوستان کی تاریخی اور تہذیبی روایات جو زندگی کو ایک نئے منصوبہ کے مطابق تشکیل دینے کے ولولے کا عکس دکھا سکیں۔ ہمارے دیس کی مختلف زبانوں میں جو ناول، اور افسانے، جو نظمیں اور ڈرامے لکھے جائیں، انھیں پڑھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ اس وقت ہندوستان کے دیہاتوں اور شہروں میں انسان کیسی زندگی گزار رہے ہیں، سماج کی شیرازہ بندی کس انداز سے کی جا رہی ہے، مادی اور ذہنی ضروریات کی فراہمی کے لئے کس قسم کی جدوجہد کی جا رہی ہے، عام طور پر لوگ کن قدروں میں یقین رکھتے ہیں اور تعلیم کو عام کرنے، جمہوری اداروں کو فروغ دینے، سائنس اور ٹیکنالوجی کی مدد سے زندگی اور مہذب اور آرام دہ بنانے اور زبان، رہن سہن اور عام معاشرت میں طبقہ واری امتیازات کو ختم کرنے کے لئے کیا کیا جا رہا ہے۔

یہ سب مسائل لکھنے والوں پر ایک بھاری ذمہ داری ڈالتے ہیں۔

ادب میں وعظ اور تلقین نہیں ہوتی، اس کے باوجود ادب کا اثر گہرا اور اس کا وار بھرپور ہوتا ہے۔ ادب سیاست اور اخلاق کا بدل نہیں ہوتا، لیکن وہ ان سے بے نیاز بھی نہیں رہ سکتا۔ نئے ادب کے معماروں کو یہ صاف طور سے محسوس کر لینا چاہیے کہ وہ محض چند لوگوں کے لئے نہیں لکھ رہے ہیں، اور نہ محض کسی ایسی جنت کا چربہ اتارنا چاہتے ہیں، جو ٹھوس حقائق کی دنیا سے کوئی واسطہ نہیں رکھتی۔ زندہ قوموں کے ادب میں زندہ انسانوں کی تصویر ملتی ہے اور ان کے اعمال اور تجربات سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ وہ بحیثیت مجموعی پوری سماج تہذیب اور ترقی کی دوڑ میں کس منزل تک پہنچ چکی ہے۔ لیکن ادب محض ٹھہری ہوئی حقیقتوں کا عکس نہیں ہوتا، بلکہ امکانات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے، وہ محض زندگی کی ترجمانی نہیں کرتا، بلکہ اس کی توسیع بھی کرتا ہے، اور اپنے مخصوص طریقۂ کار کے ذریعے سمجھنے، برتنے اور محسوس کرنے کے پیمانوں میں تبدیلی بھی پیدا کرتا ہے۔ ہندوستان کے مرکب سماج میں آج جو تبدیلیاں ہو رہی ہیں، اور وہ جس منزل کی طرف جا رہی ہیں، اور اس منزل کو پانے کے لئے جس جذباتی اور ذہنی ہم آہنگی، اور اشتراک کی ضرورت ہے، ان کی عکاسی اور ان کی طرف ترغیب دلانا، آج کے ادب کے لئے، خواہ وہ ہندوستان کی کسی زبان میں لکھا جا رہا ہو، ایک مقدس ذمہ داری ہے۔ عام شہری اور فنکار دونوں اپنے اپنے طریقے پر ایک ہی نصب العین کے خادم ہیں، یعنی زندگی کو محبت اور خیر و برکت کی طرف بڑھانا اور اس کی نعمتوں کو زیادہ سے زیادہ عام کرنا۔

(بشکریہ اردو مجلس آل انڈیا ریڈیو دہلی)

پتہ دیکھئے

اگر آپ کے پتہ کے گرد سرخ نشان ہے تو یہ اس امر کی علامت ہے کہ دو اشاعتوں کے بعد آپکی میعادِ خریداری ختم ہو جائیگی۔ مہربانی فرما کر "ہماری زبان" کی سالانہ قیمت مبلغ تین روپے منی آرڈر سے بھیجئے تاکہ یہ سلسلہ جاری رہے۔ — منیجر

اداریہ

پریس رجسٹرار کی رپورٹ

یہ خوشی کی بات ہے کہ پریس رجسٹرار کی سنہ ۱۹۶۰ء کے ہندوستانی اخبارات کے متعلق رپورٹ میں اردو کے بارے میں چند دل خوش کن خبریں ہیں۔ روزناموں میں ہندی کے بعد سب سے زیادہ تعداد اردو کی ہے۔ اردو اخباروں کی اشاعت ۱۰۱۵ لاکھ ہے۔ پنجاب میں پنجابی اور ہندی دونوں سے زیادہ اردو اخباروں کی اشاعت ہے۔ ۱۹ اسال نکلنے والے اخبارات میں بھی اردو کے اخباروں کی تعداد زیادہ ہے۔ مگر ہمیں صرف اس پہلو کو ہی نہیں دیکھنا چاہیئے، یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ ہندی کے علاوہ گجراتی، ملیالم، مراٹھی، تامل میں اخباروں کی اشاعت اردو سے زیادہ ہے۔ دوسری زبانوں میں ایسے اخباروں اور رسالوں کی تعداد خاصی ہے جو پچاس ہزار یا ایک لاکھ چھپتے ہیں۔ ہمارے یہاں اخبار تو ایک بھی نہیں، ہاں دو یا تین رسالوں کی تعداد پچاس ہزار سے زیادہ ہوگی۔ گویا اردو میں اخباروں اور رسالوں کی تعداد تو بری نہیں، مگر ان کی اشاعت قابل اطمینان نہیں۔

اس کی بہت سی وجہیں ہیں، مگر سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اردو اخباروں کے خریدار زیادہ تر وہی ہیں جو صرف اردو جانتے ہیں۔ انگریزی جاننے والا طبقہ اردو کا اخبار نہیں خریدتا ہاں اردو کے ساتھ بے انصافی پر دو آنسو بہا لیتا ہے اور حکومت یا اکثریت کو برا بھلا کہہ کر اپنا جی ہلکا کر لیتا ہے وہ اپنے فرض کو نہیں پہچانتا۔ یہ بھی درست ہے کہ اردو کے بیشتر اخبار جدید دور کی ضروریات کو پورا نہیں کرتے۔ ان کی خبریں بیشتر باسی ہوتی ہیں، وہ سنسنی خیز سرخیوں پر تکیہ کرتے ہیں۔ وہ لیتھو کی چھپائی سے منھ موڑنے کو تیار نہیں۔ اس میں اقتصادی حالات کا بھی دخل ہے مگر زیادہ تر قدامت پسندی ہے۔ جہاں اردو میں نئے اخباروں کی تعداد ہر سال اچھی خاصی ہوتی ہے وہاں مرحومین کی تعداد بھی تشویشناک ہوتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ پرچوں کو تجارتی اصولوں پر نہیں چلایا جاتا۔ صحافت قومی خدمت ہونے کے علاوہ ایک پیشہ بھی ہے اور ابھی اس پیشے کے تمام پہلوؤں پر پوری طرح غور نہیں کیا گیا۔ ہندوستان میں صحافت برابر آگے قدم بڑھا رہی ہے اردو صحافت کو اپنی موجودہ رفتار پر مطمئن نہ ہونا چاہیئے بلکہ ایسے ذرائع اختیار کرنا چاہیئیں کہ اس کا معیار بڑھے۔ اس میں روزنامے لاکھوں کی تعداد میں اور رسالے پچاس ساٹھ ہزار کی تعداد میں عام طور پر شائع ہونے لگیں۔ یہ ہو جائیگا تو ہمیں کسی حکومت یا قانون کا منہ نہ تکنا پڑے گا۔ رائے عامہ خود اپنا حق منوا لے گی۔

عطاء اللہ شاہ بخاری

آخر اردو کا یہ جادو بیان مقرر بھی اس دنیا سے رخصت ہو گیا عطاء اللہ شاہ بخاری آزادی کی جنگ کے مشہور سپاہی تھے۔ انھیں "قرآن سے محبت تھی اور انگریز سے نفرت"۔ ان کی عمر کا کچھ حصہ جیل میں کٹا، باقی ریل میں۔ اردو میں محسن الملک، نذیر احمد، ابو الکلام آزاد، مولانا سلیمان اشرف، عبدالماجد دریابادی، بہادر یار جنگ بہت سے مشہور خطیب ہوئے ہیں، ان سب کے میدان الگ الگ تھے۔ مگر انصاف یہ ہے کہ عطاء اللہ شاہ بخاری اپنے رنگ میں منفرد تھے، وہ گھنٹوں تقریر کر سکتے تھے۔ ہزاروں لاکھوں کا مجمع ہوتا تھا، مگر کیا مجال کہ کوئی اکتا یا گھبرا جائے۔ ہم نے خود تین تین، چار چار گھنٹے تک ان کی تقریریں سنی ہیں۔ ان کے بعض افکار سے کوئی متفق ہو یا نہ ہو، مگر ان کے فن کے کمال کے سبھی قائل تھے۔ وہ ایسے مقرر تھے کہ اگر کوئی ان کو بیچ میں ٹوک دیتا تھا تو اس کی شامت آ جاتی تھی۔ ان کے یہاں الفاظ کا دریا نہیں ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ وہ اردو اور فارسی کے اساتذہ کے اشعار ایسے موقع سے اور ایسے انداز سے پڑھتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا یہ اشعار انھیں پر نازل ہوئے ہیں۔

انھوں نے ہندوستان کی آزادی کے لئے بڑی قربانیاں کیں اور بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ وہ تحریک آزادی کے اس دور کی یادگار تھے جب قدم قدم پر آبلہ پائی اور دشت پیمائی کا تقاضا ہوتا تھا، جب باغیانِ صحرا کا قانون خون جگر سے لکھا جاتا تھا، جب بغاوت فرض تھی اور اطاعت جرم۔ افسوس ہے کہ جب اپنے چمن کی آراستگی کا وقت آیا تو انھیں نظر انداز کر دیا گیا۔ پاکستان میں بھی ان کی بقیہ زندگی کس مپرسی ہی میں گذری۔ اب زندگی کے تقاضے بدل گئے ہیں، خطابت کا وہ دور ختم ہو گیا، مگر جس خطابت کے ذریعہ سے اردو زبان ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچی، جس پُرسکون آواز نے لاکھوں آدمیوں کو برسوں تک مسحور رکھا اور الفاظ کی بے پناہ طاقت سے آشنا کیا، اسے اردو زبان جاننے والے اور سننے والے کبھی بھلا نہیں سکتے۔

اِدھر اُدھر سے

نرالا کا مجموعہ کلام روسی زبان میں

سوویت یونین کے شاعری اور ادب کے ریاستی پبلشنگ ہاؤس نے سوریہ کانت ترپاٹھی نرالا کے مجموعہ کلام کا ترجمہ روسی زبان میں شائع کیا ہے۔ اس سے پہلے سوویت قارئین نرالا کی صرف ان چند نظموں سے واقف تھے جو چار سال پہلے ہندوستانی شاعروں کے انتخاب میں ماسکو سے شائع ہوئی تھیں۔ نرالا کا یہ مجموعہ کلام "طوفان" سوویت قارئین کو

شاعرہ کے تمام شاہکاروں سے متعارف کرائیگا۔ اس مجموعہ میں زلالا کی تمام کتابوں "مہک" "گمنام" "کھلتی پتیاں" "چنبیلی" اور "گیت کی جھنکار" کی منتخب نظمیں شامل ہیں۔

سنہ ۱۹۶۱ء کے لینن انعامات

ادب کے میدان میں سنہ ۱۹۶۱ء کے لئے لینن انعامات ممتاز شاعر الیکسانڈر توارد وفسکی کو ان کی نظم "کائنات ماورائے خلا" جس پر انھوں نے اپنی زندگی کے تقریباً دس سال صرف کئے ہیں، الیکسانڈر پروکوفیف کو ان کی نظموں کے مجموعے "دعوت سفر" اور میخائیل استماخ کو ان کے اس سلسلے وار ناول "نان و نمک" "انسان کا خون پانی نہیں ہے" اور "عظیم کنبہ" کے لئے دیے گئے ہیں۔

صحافت کے میدان میں لینن انعام جوہان اسمول کو ان کی تصنیف "برف کی کتاب" کے لئے ملا ہے۔ یہ اسٹونیائی شاعر اور نثر نگار ہیں۔ یہ کتاب روزنامچہ کی شکل میں لکھی گئی ہے۔

مصوری کے میدان میں لینن انعام دو ممتاز فنکاروں بورس پروروکوف اور مارتیروس ساریان کو دئے گئے ہیں۔

ٹیگور کے اعزاز میں تمغے کا اجرا

عظیم ہندوستانی شاعر اور مفکر رابندر ناتھ ٹیگور کی یاد میں سوویت ٹیگور کمیٹی کی تجویز پر حال میں ایک تمغہ جاری کیا گیا ہے۔ اس کا ڈزائن رو مانوفسکایا نے بنایا ہے۔ تمغے کا قطر ۵۰ ملی میٹر ہے۔ اس کے سامنے کی جانب ٹیگور کی شبیہ بنی ہے اور "رابندر ناتھ ٹیگور سنہ ۱۹۶۱ء" کی عبارت کندہ ہوئی ہے۔ پشت کی جانب ایک ہاتھ بنا ہے جس میں ایک چراغ جل رہا ہے اور یہ عبارت درج ہے "صد سالہ جنم دن — ماسکو سنہ ۱۹۶۱ء"

الڈس ہکسلے کی آمد

معلوم ہوا ہے کہ انگلستان کے مشہور و معروف ادیب اور مفکر الڈس ہکسلے آئندہ نومبر میں کلکتہ آنے والے ہیں۔ ان کی آمد پر ان سے کلکتہ یونیورسٹی میں تقریر کرنے کی درخواست کی جائیگی۔

یونیورسٹی کے سنڈیکیٹ کے ایک جلسے میں مذکورہ بالا فیصلہ کیا گیا۔ معلوم ہوا ہے کہ کلکتہ یونیورسٹی کی طرف سے انھیں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری بھی دی جائے گی۔

نیویارک یونیورسٹی کے مختلف زبانوں کے اسکول میں اُردو کا بھی اضافہ

نیویارک میں مختلف زبانوں کے شارٹ کٹ اسکول میں دوسری زبانوں کی تعلیم کے ساتھ اردو کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر میننڈ نے اس سلسلے میں واضح کیا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان میں بہت کروڑ لوگ اُردو بولتے ہیں اور ان دونوں ملکوں میں جو تعلیمی سہولتیں بہم پہنچائی ان کی وجہ سے سائنسدانوں اور دوسرے تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے۔ کیونکہ دنیا کے دوسرے ملکوں کے سائنسداں اور دانشوروں کے تعاون میں اضافہ کے باعث ایک اور قسم کی زبان کو سمجھنا ضروری ہو گیا ہے۔ شارٹ کٹ اسکول کا آغاز سنہ ۱۹۵۸ء میں کیا گیا تھا تاکہ سیاحوں، ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں لینے والے اور سائنسدانوں کو بین الاقوامی دلچسپی کے مقالے دوسری زبانوں میں پڑھنے کے مواقع مل سکیں۔

ڈاکٹر میننڈ نے کہا کہ یہ اسکول بہت مفید خدمات انجام دے رہا ہے اور اس میں ہندی، اطالوی، یونانی، چینی، جاپانی، سنگھالی، انڈونیشیائی، فرانسیسی، ترکی، عربی، عبرانی، پرتگالی، ہسپانوی اور اب اُردو اور انٹرلنگوا زبانیں پڑھائی جاتی ہیں۔ آغاز میں اس میں صرف ۲۵ طلبہ تھے، اب تعداد چھ سو سے بھی زیادہ ہو گئی ہے۔

مطبوعات کے ڈزائن اور چھپائی کے لئے انعامات

بھارت سرکار نے کتابوں کے ڈزائن اور چھپائی کے ساتویں انعامی مقابلے کے سلسلے میں ناشروں، تجارتی اداروں، مشتہروں، مشتہر ایجنسیوں، کمرشیل آرٹ کے نگار خانوں اور پرنٹروں سے خواہش کی ہے کہ وہ ۵ اکتوبر سنہ ۱۹۶۱ء تک اپنی مطبوعات کی دو کاپیاں بھجوا دیں ان مطبوعات کی نومبر میں نمائش بھی کی جائے گی۔

مقابلے کے لئے بھیجی جانے والی مطبوعات بھارت سرکار کی حدود میں ۱۵ اگست سنہ ۱۹۶۰ء سے ۱۴ اگست سنہ ۱۹۶۱ء کے دوران چھپی ہوں۔ ٹن پلیٹ یا ایلومینیم سے چھپی مطبوعات بھی مقابلے میں بھیجی جا سکتی ہیں۔

ان کتابوں کی حسب ذیل درجہ بندیاں کی گئی ہیں:-

بچوں کے لئے کتابیں، سیکنڈری اسکول کے لئے درسی کتابیں با تصویر کتابیں، آرٹ کی کتابیں، انگریزی و ہندوستانی زبانوں میں دیگر کتابیں، ہندوستانی زبانوں کے روزنامے، انگریزی روزنامے اشتہاری کتابچے، آرٹ میگزین اور سالنامے، مختلف اداروں کے ترجمان، انگریزی رسائل، ہندوستانی زبانوں کے رسائل پوسٹر، تو لٹو آفسٹ یا فوٹو گریور، فولڈر لیٹر پریس، جنتریاں، ڈائریاں، دیوناگری ٹائپ فیس، پبلسٹی کتابچے، لیبل، بہترین جلد بند کتاب وغیرہ۔ ہر درجے میں تین انعامات ہوں گے۔ اول، دوم اور سرٹیفکٹ آف میرٹ۔ روزناموں کی صورت میں ۱۰ جولائی سے ۲۰ جولائی تک کے دس شمارے داخل کئے جائیں۔ کسی اور تاریخ کے شمارے مقابلے میں شریک نہیں کئے جائیں گے۔

علوم مشرقیہ کے ماہرین کی بین الاقوامی کانگریس

علوم مشرقیہ کے ماہرین کی بین الاقوامی کانگریس کا ۲۶واں اجلاس سنہ ۱۹۶۴ء میں ہندوستان میں ہوگا۔ سائنسی تحقیقات کے وزیر شری ہمایوں کبیر نے اس امر کا انکشاف کرتے ہوئے بتایا کہ جنوب مشرقی ایشیا، مشرق قریب، افریقہ اور عالم اسلام کے علمی مسائل کے علاوہ عصر ہندوستان کے قدیم علوم و فنون کا موجودہ دور میں کیا مقام ہے یہ بھی اس اجلاس میں زیر بحث رہے گا۔

قاضی سلیم

ایک کتبہ

یہ شہر میں کارواں گرد بن جائے بن بن بھٹکتی رہے
ترے ایک ایک نقش قدم کے لئے سر پٹکتی رہے
مگر یہ نہ ہو
وہ وہی سے خمیر اس کا، کل بھی اُٹھے
وہ اسی طرح پتھر بنے
اور ترے نرم قدموں کی ٹھوکر لگے۔

ماہر انصاری

قرب منزل

غم کی کٹھن راہوں میں
کتنے سخت موڑ آئے
ہم کہ تھے جواں ہمت
سیلِ آب کی مانند
بڑھتے ہی رہے آگے
سب کو پیچھے چھوڑ آئے
لیکن اب نہ جانے کیوں
پاؤں ڈگمگاتے ہیں
ہوش اڑتے جاتے ہیں

صبا فاضلی

اُن سے بچھڑے ہیں

دل ایک سوال سا ہے جس دن سے اُن سے بچھڑے ہیں
عجیب حال ہے جس دن سے اُن سے بچھڑے ہیں
کہ جیسے بھولی ہوئی بات یاد آجائے....
یہ دل کا حال ہے جس دن سے اُن سے بچھڑے ہیں
حیات ہے کہ کسی گیت کی شکستہ لے....
یہ احتمال ہے جس دن سے ان سے بچھڑے ہیں
نگاہ و دل میں عجب کش مکش سی رہتی ہے....
سکوں محال ہے جس دن سے ان سے بچھڑے ہیں
وہی اڑی ہوئی رنگت وہی کھلے گیسو....
وہی خیال ہے جس دن سے ان سے بچھڑے ہیں

وحیدہ نسیم

غزل

پھر رفتہ ہائے دیر و حرم یاد آگئے
سجدے میں سر جھکا تو صنم یاد آگئے
ساغر جو لیا ہاتھ میں آنسو چھلک پڑے
ہمدم ملا تو رنج و الم یاد آگئے
صحن چمن میں دیکھ کے افسردہ برگ گل
عمر رواں کے نقش قدم یاد آگئے
گل پر چھلک رہے ہیں جو شبنم کے اشک کیوں
شاید بچھڑی بہار کو ہم یاد آگئے
آنسو ہنسی کی بات میں کیوں گر پڑے نسیم
بیٹھے بٹھائے کون سے غم یاد آگئے

ذکاء الدین شایاں

غزل

ویران روح و دل میں گلستاں کھلا کے لائے
ہم اُن کی انجمن سے ہر اک غم سجا کے لائے
یاد آگئیں جو اُس رُخ سادہ کی شوخیاں
ہم اک ورق صبح بہاراں اُٹھا کے لائے
پھر جیسے پا گئے نئے دوست کا مزاج
پھر اپنی حسرتوں کو تمنا بنا کے لائے
آخر کسی طرح شب غم کاٹنی ہی تھی
ہم ان کی چشم ناز سے نیندیں اُڑا کے لائے
اب ان سے کیا کریں غم پنہاں کی بات چیت
وہ بھی تو دل میں درد محبت چھپا کے لائے
یہ کس کے خون گرم سے چمکی جبین گل
یہ کیسی آگ تھی؟ جسے جھونکے صبا کے لائے
دیکھیں تو اس پہ پڑتی ہے کس کی نگاہ خاص
اک اشک ہم بھی اپنی نگہ میں چھپا کے لائے

میر حسین علی افسر

غزل

بستی بستی نگری نگری دیوانوں کے چرچے ہیں
رازِ حقیقت اپنی جگہ ہے افسانوں کے چرچے ہیں
ہم میخواروں ہی کے من کی موج ہے یہ سب اے ساقی
محفل محفل آج جو تیرے پیمانوں کے چرچے ہیں
دل رویا دیکھا نہ کسی نے اشکوں کو سب نے دیکھا
نام نہیں اپنوں کا کہیں بھی بیگانوں کے چرچے ہیں
جلتی رہی محفل کی خاطر صبح ہوئی تو محفل میں
شمع کا کوئی ذکر نہیں اور پروانوں کے چرچے ہیں
یہ کیسا دستور زمانہ یہ کیسا آئین جہاں
گھر والے ہیں گھر سے باہر مہمانوں کے چرچے ہیں
تیرے حُسن کی رنگینی سے ذکر ہے ہر سو گلشن کا
اور مرے جوشِ وحشت سے ویرانوں کے چرچے ہیں
ہاں تیری خاموش فغاں نے اب وہ کام کیا افسر
اُن کی محفل میں بھی تیرے ارمانوں کے چرچے ہیں

تمنا یوسفی

غزل

خیالِ منزلِ دلدار بھی نہیں باقی
چلو کہ آج وہ دیوار بھی نہیں باقی
نہیں ضرور وہ ساقی کے حوصلے لیکن
بلند ظرفیِ مے خوار بھی نہیں باقی
حکایت نگہ یار ہے جہاں لب پہ
شکایت دل بیمار بھی نہیں باقی
رہِ وفا میں کہیں منزل پناہ کہاں
وہاں تو سایۂ دیوار بھی نہیں باقی
کہاں سے آئے تمنا غزل میں رنگینی
روایت لب و رخسار بھی نہیں باقی

مراسلات

کچھ لفظ خاتم کے متعلق

خاتَم (بہ فتح تا) اور خاتِم (بہ کسرِ تا) دونوں صحیح ہیں۔ اور دونوں ہم وزن و ہم معنی مستعمل ہیں۔ سند ملاحظہ ہو۔

منتہی الارب میں ہے۔ خاتم کصاحب مُہر و انگشتری ...... و آخر ہر چیزے و پایان آں و آخر قوم۔ خاتم بالفتح مثلہٗ۔

یعنی خاتم بروزن صاحب = مہر۔ انگوٹھی۔ ہر چیز کا آخر۔ یا انتہا۔ اور کسی گروہ کا آخری شخص۔ اور خاتم بھی اسی معنی میں آتا ہے۔

مفردات راغب میں ہے۔ ختمت القرآن = میں نے قرآن ختم کیا۔ خاتم النبیین لانہ ختم النبوۃ ای تممہا بمجیئہ = آنحضرتؐ خاتم النبیین ہیں کہ آپ نے نبوت کو ختم کیا۔ مراد یہ ہے کہ آپ کی آمد نے نبوت کو اتمام کو پہنچایا۔

غرض ختم میں انتہا کو پہنچانا۔ بند کرنا۔ مُہر لگانا سب داخل ہیں۔

(ضیاء احمد بدایونی)

بعض الفاظ کا صحیح تلفظ

واجد نعیم الدین صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ فرانسیسی میں (au) کی دو آوازیں ہیں ایک 'او' (औ) کی آواز، جیسے Maupasant میں؛ دوسری 'او' کی مختصر آواز، جیسے aujourd'hui میں۔ جو نعیم الدین صاحب نے De Gaulle کا صحیح تلفظ 'ڈیگول' بتایا ہے، صحیح نہیں ہے۔

de (دُ)، کو؛ کا؛ سے؛ تک؛ ساتھ۔

صحیح تلفظ 'دگول' ہے۔ سنسکرت لکھاوٹ میں दगोल

اور Journalism میں پہلے رکن کا تلفظ 'ژور' نہیں بلکہ 'ژُور' ہے۔

(اقبال کرشن)

"لفظ علامہ کی تحقیق"

جناب سید اختر علی تلہری صاحب کا مضمون جریدہ 'ہماری زبان' کی اشاعت ۲۲ر جون ۱۹۶۱ء میں نظر سے گذرا۔ میں نے اُسے حضرت مولانا ناطق کو بھی سُنا دیا۔ اس کے جواب میں جو کچھ میں نے حضرت مولانا سے سُنا ہے وہ پیش کیے دیتا ہوں۔ مولانا ناطق نے علامہ تفتازانی پر چسپاں ہو جانے سے پہلے لفظ "علامہ" کے وجود سے تو انکار نہیں کیا۔ یہ لفظ تھا اور جب تھا تو لوگوں کے لیے احیاناً اس کا استعمال بھی رہا ہوگا۔ مولانا نے تو یہ فرمایا ہے کہ جس طرح آجکل ہندوستان کے بعض شعرائے کرام مثلاً علامہ اقبال، علامہ سیماب، علامہ کیفی و تاثر وغیرہ کے ساتھ یہ لفظ چسپاں ہو کر رہ گیا ہے اس طرح پہلے کسی کے ساتھ تفتازانی کے سوا چسپاں ہو کر نہیں رہا۔ علامہ تفتازانی اور میر سید شریف کے عقائد میں فرق نہ ہونے کا مسئلہ، تو اس کی تصدیق میر سید شریف کی تصانیف سے کی جا سکتی ہے علامہ تفتازانی نے اپنی کتاب "تجرید" کے آخر میں عقائد مذہبی سے متعلق لکھا ہے جس پر میر سید شریف نے علامہ تفتازانی سے اُن کے مرض الموت میں کہا تھا کہ "جہاں دیدہ دانستہ کردہ آخر تجرید خوردی"؟ اگر اختلاف عقائد نہ ہوتا تو میر سید شریف ایسا کیوں کہتے۔

(محمد عبد الحلیم)

ابیات بکاؤلی

ابیات بکاؤلی کے عنوان سے ہماری زبان کے ۱۵ر جولائی اور ۸ر اگست کی اشاعتوں میں جناب سید مسعود حسن رضوی، ڈاکٹر گیان چند اور منظر حسن رضوی صاحبان کے مراسلے نظر سے گذرے۔ ان اشعار سے متعلق میں صرف اس قدر عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ میرے پاس مذہب عشق کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے اُس میں یہ اشعار یوں ہیں۔

قبول اُس نے کیا جلنا سدا کا • نہ چھوڑا وصل لیکن دلربا کا
سر اپنے کو وہ ہر شب جلاتی • سدا تن کو وہ خاکستر بناتی
پہ عاشق سے نہ کرتی تھی کنارا • فراق اس کا نہ تھا ہرگز گوارا
جو جل مرنے کو اپنے دل پہ ٹھانے • وہ ہر آتش کدے کو آب جانے
گوارا تن پہ ہوئے نار سوزاں • سہا جاتا نہیں پر سوز ہجراں
جیسے ہو شمع رولیوں کی محبت • وہی جانے ہے تب جلنے کی لذت

اس نسخہ کے اختتام پر تاریخ کے سلسلے میں کاتب یوں رقمطراز ہے:-

"تمت تمام شد کتاب مذہب عشق یعنی گل بکاؤلی برائے مشفقی مکرمی محمد اکبر صاحب ساکن کاویری پاک بوقت صبح از دست فقیر حقیر معصوم خاں غفر اللہ عنہ تمام و انصرام شد بروز سہ شنبہ شہر جمادی الثانی در ۱۲۰۹ھ ہجری نبوی بتاریخ ششم۔"

(ظہیر الحسن۔ کامٹی)

کیا یہ لسانی سامراج نہیں؟

سہسرام (ضلع شاہ آباد) بہار

سکنڈری اسکول میں اُردو خواں طلبہ کی تعداد تین سو کے قریب ہے۔ یہ طلبہ تمام غیر لسانی مضامین اپنی مادری زبان اُردو میں پڑھتے ہیں اور امتحانات میں جوابات بھی اُردو میں ہی دیتے ہیں۔ مگر حیرت ہے کہ سوالات صرف ہندی زبان میں چھپتے ہیں اور زبان بھی ایسی ہوتی ہے جس کو ہندی خواں طلبہ بھی سمجھنے میں دقت محسوس کرتے ہیں۔ انگریزی کے دوسرے پرچے جو ترجمہ کے لئے ٹکڑا دیا جاتا ہے وہ بھی سخت زبان میں ہوتا ہے۔ اردو داں طلبہ کو ہندی راشٹر بھاشا کی حیثیت سے لازمی مضمون کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ مگر اس کا معیار ہندی داں طلبہ سے دو سال نیچا ہے۔ پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ امتحانات کے پرچے صرف ہندی میں کیوں چھپتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کچھ ماسٹر ہندی میں جوابات لکھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اور کسی لڑکے نے ہندی میں جواب لکھ دیا تو اسے زیادہ نمبر ملتے ہیں۔ اُردو میں لکھی ہوئی کاپیاں نیچے درجہ کے لڑکوں سے پڑھوائی جاتی ہیں جو کچھ اچھی طرح مختلف انداز تحریر پڑھ بھی نہیں سکتے۔ ضروری ہے کہ سالانہ اور ششماہی امتحانات کے سوالات اُردو میں چھپیں۔ حکومت و محکمہ تعلیم کے لوگوں کو اس طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے۔

(منظور علی۔ جنرل سکریٹری۔ اُردو اسٹوڈنٹس فیڈریشن سہسرام شاہ آباد)

معروضات

میرا ایک مضمون "تبرکات غالب" کے عنوان سے اخبار "ہماری زبان" ماہ اگست سنہ ۱۹۶۹ء کے پہلے اور دوسرے ہفتے میں شایع ہوا ہے۔ اس کے ذریعہ "چمن بے نظیر" سے ماخوذ غالب کی دو غزلیں بھی پیش کی گئی ہیں۔ تیسری غزل کا ذکر تو ہے مگر یہ نہیں کہ وہ غزل کونسی ہے۔

"چمن بے نظیر" کی تاریخ تالیف سنہ ۱۲۴۷ھ (سنہ ۱۸۳۱ء) ہے اور اس میں کسی غزل کا شامل ہونا اس امر کی بین دلیل ہے کہ وہ سال تالیف سے قبل کی کہی ہوئی ہے۔ چنانچہ غالب کی تیسری غزل کا بھی تاریخ مذکور سے پہلے کہا جانا پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ لہٰذا مناسب سمجھا کہ اس کی نشان دہی بھی کر دی جائے کہ اس سے تاریخ تصنیف غزل کا کچھ نہ کچھ تصور ذہن میں آجاتا ہے۔

مذکورالصدر غزل "نگین کے پانوں" "سیمتن کے پانوں" والی غزل ہے۔ انتخاب میں اس کو نون کی ردیف میں جگہ دی گئی ہے جب کہ مروجہ و حمیدیہ نسخۂ دیوان غالب میں یہ واؤ کی ردیف میں شامل ہے۔

(معراج دھولپوری)

انجمن کا خبر نامہ

انجمن ترقی اُردو لکھنؤ کے دو۲ خصوصی جلسے

انجمن ترقی اُردو لکھنؤ کے دو خصوصی جلسے بسلسلہ تکمیل جوابات لسانی کمیٹی ہوئے، پہلا جلسہ ممتاز ہائر سکنڈری اسکول میں، اور دوسرا جلسہ ہیرالال ورما کی صدارت میں مقبول احمد لاری صاحب کے یہاں۔ پہلے جلسہ میں لسانی کمیٹی کے سوالات کی روشنی میں تقسیم کار کیا گیا۔ دوسرے جلسے میں جوابات پر غور و خوض کیا گیا، ان جلسوں میں حسب ذیل تجاویز بھی پاس کی گئیں۔

پہلی تجویز بیسک اُردو ریڈروں کے سلسلے میں ہے کہ ہر سال وہ بازار میں اتنی زیادہ دیر سے آتی ہیں کہ طلبہ اور سرپرست حیران ہو جاتے ہیں۔ تعلیمی نقصان ہونے کے خیال سے کافی طلبہ اُردو پڑھنا مجبوراً چھوڑ دیتے ہیں۔ تجویز یہ ہے:-

"انجمن ترقی اُردو کا یہ جلسہ اُردو کی نصابی کتابوں کے بازار میں تاخیر سے آنے پر اظہار تشویش کرتا ہے۔ اُردو کی بعض ضروری کتابیں جن میں بیسک ریڈر حصہ اول خاص طور سے قابل ذکر ہے ابھی تک شائع نہیں ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بچوں کی تعلیم شروع نہیں ہو سکی، اس ریڈر کے علاوہ مختلف درجوں کی دوسری بیسک اُردو ریڈریں اور حساب کی کتابیں بھی بازار میں نہیں آئی ہیں۔ ہر سال طلبہ اور ان کے سرپرستوں کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بہت سے طلبہ اُردو چھوڑ دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ جلسہ حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اُردو کی کتابوں کو تعلیمی سال کے شروع ہونے سے پہلے بازار میں آجانے کا مناسب انتظام کرے۔"

دوسری تجویز بابائے اُردو ڈاکٹر عبدالحق کی وفات پر ہے۔

"انجمن ترقی اُردو لکھنؤ کا یہ جلسہ بابائے اُردو مولوی عبدالحق صاحب کے انتقال پر سخت دلی رنج و افسوس کا اظہار کرتا ہے۔ مولوی صاحب نے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ اُردو پر تج دیا اور انھوں نے اس کے لئے جو کچھ کیا ہے وہ ناقابل فراموش ہے اور تاریخ میں ہمیشہ چمکتا رہے گا۔ ان کے انتقال سے اُردو دنیا کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے، اُردو کا ایک روشن اور تابناک دور ختم ہو گیا۔"

ایک اور تعزیتی تجویز جمیلہ ہادی صاحبہ کی جواں مرگی پر پاس ہوئی، مرحومہ مقامی بزم خواتین کی سرگرم رکن، اُردو کی سچی فدائی اور بزم کے اُردو اسکول اور سے گنج کی بانی تھیں، تجویز کے الفاظ یہ ہیں:-

"انجمن ترقی اُردو لکھنؤ کا یہ جلسہ جمیلہ ہادی ممبر مجلس عاملہ بزم خواتین اور بانی بزم اسکول اور سے گنج کی بے وقت موت پر اپنے دلی رنج کا اظہار کرتا ہے۔ مرحومہ اُردو بزم خواتین کی ایک پرجوش کارکن تھیں اس کی اُردو تعلیمی مہم کو عملی جامہ پہنانے میں انھوں نے بہت سرگرمی سے حصہ لیا مرحومہ کی اُردو کی خدمات قابل قدر ہیں اور یہ جلسہ ان کو بہت قدر کی نظر سے دیکھتا ہے۔"

(سکریٹری)

اُردو اسٹوڈینٹس فیڈریشن کا تعزیتی جلسہ

بتاریخ ۲۰ر اگست ۱۹۶۱ء بروز اتوار بوقت ۸ بجے دن کو بابائے اُردو، جناب مولوی عبدالحق صاحب کے انتقال پر اردو اسٹوڈینٹس فیڈریشن کا ایک جلسہ زیر صدارت جناب عبدالسلام عارف منعقد ہوا۔ جس میں عبدالحق صاحب کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا گیا اور ایک تعزیتی تجویز پاس کی گئی۔

(مظہر علی جنرل سکریٹری۔ اُردو اسٹوڈینٹس فیڈریشن سہسرام شاہ آباد)

انجمن ترقی اُردو بالاپور (برار) کی تعزیتی میٹنگ

بابائے اُردو مولوی عبدالحق کے انتقال پر ۱۸ر اگست ۶۱ء کو بعد نماز جمعہ انجمن ترقی اُردو بالاپور (ودربھ) نے ایک تعزیتی تجویز پاس کی اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی۔

(پیام محمد تسلیم۔ ناظم)

مرکز ادب اُردو کالج کا تعزیتی جلسہ

۱۸ر اگست ۶۱ء کو دفتر مرکز ادب اُردو کالج واقع ۶۵ مڈل روڈ کلکتہ میں بابائے اُردو علامہ عبدالحق کی وفات حسرت آیات کے سلسلے میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں اتفاق رائے سے ایک تعزیتی قرارداد منظور کی گئی۔

(سکریٹری مرکز ادب)

شاخ کھر گپور کی ماہانہ ادبی نشست

۲۹ر جولائی ۱۹۶۱ء کی شب کو شاخ کھر گپور کی ماہانہ ادبی نشست عزیز پرائمری اسکول میں منعقد ہوئی۔ صدارت کے فرائض جناب کریم اللہ شریف کریم صاحب نے انجام دئے جس میں جناب ایس۔ ایم۔ صدیقی صاحب اپنا افسانہ "دھرتی کی بیٹی" پڑھا، اور مندرجہ ذیل شعرائے کرام نے محفل مشاعرہ میں شرکت کی۔ شری کیدار ناتھ کیدار، جناب ایم۔ حنیف۔ روشن، جناب ولی الدین صابر، جناب شیخ احمد صاحب احمد، جناب عبدالصمد صاحب نہال، جناب انوارالکریم بوجھر، جناب مرزا رحمان بیگ صاحب، جناب عبدالغنی کوثر پرتاب گڑھی، جناب صدر کریم کھر گپوری۔

(عبدالغنی کوثر پرتاب گڑھی
سکریٹری نشر و اشاعت)

روداد جلسہ انجمن ترقی اُردو برہان پور

انجمن ترقی اُردو برہان پور کی مجلس عاملہ کا ایک جلسہ انڈیا لائبریری میں مورخہ ۱۹ اگست ۱۹۶۱ء کو شب میں دس بجے منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل دو تجویزیں بالاتفاق آراء منظور ہوئیں :۔

تجویز نمبر ۱۔ انجمن ترقی اُردو برہان پور کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ حکومت مدھیہ پردیش سے مطالبہ کرتا ہے کہ ۱۹۶۲ء میں ہونے والے جنرل الیکشن کی فہرست رائے دہندگان اُردو میں بھی شائع کرائے کیونکہ صوبہ مدھیہ پردیش میں بیشتر مقامات مثلاً بھوپال، برہانپور، اندور، اجین، رتلام، رائے گڑھ، کھرگون، کھنڈوہ، ہوشنگ آباد، ساگر، جبلپور، ریوا، بلاسپور، رائے پور، چھندواڑہ، بیتول، مہو، راجنا ند گاؤں، گوالیار، دموہ اور درگ میں آبادی کا ایک بڑا حصہ اُردو زبان بولتا، پڑھتا اور لکھتا ہے۔ اور تعداد کا لحاظ کرتے ہوئے صوبہ کے شہر بھوپال اور برہان پور میں میونسپل الیکشن کی فہرست رائے دہندگان اُردو میں بھی چھپوائی گئی تھی۔ ہمارا مطالبہ آئینی حقوق اور لسانی کمیشن کی سفارشات کے معیار پر اُترتا ہے۔ لہٰذا امید ہے کہ حکومت مدھیہ پردیش اس مطالبہ پر ہمدردانہ غور کرتے ہوئے ۱۹۶۲ء کے جنرل الیکشن کی فہرست رائے دہندگان اُردو میں بھی چھپوائے گی۔

تجویز نمبر ۲۔ انجمن ترقی اُردو برہان پور کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ مطالبہ کرتا ہے کہ باڑہ زین آباد تحصیل برہان پور کے اردو پرائمری اسکول میں ابھی تک معلم کی تقرری عمل میں نہیں آئی ہے۔ حالانکہ اسکول مذکورہ کو جنپد سبھا نے اپنے انتظام میں لیناطے کرلیا ہے۔ لہٰذا یہاں پر اردو کے معلم کی تقرری بہت جلد کرنے کا انتظام کیا جائے تاکہ طلبہ کی تعلیم میں کسی قسم کا ہرج واقع نہ ہو۔

(سکریٹری انجمن ترقی اُردو برہان پور)

یوم آزادی پر انجمن ترقی اُردو دہلی کا طرحی مشاعرہ

۱۵ اگست کی شام کو لالہ شام ناتھ صاحب میئر دلی کارپوریشن کی صدارت میں طرحی مشاعرہ آزادی کی خوشی میں منعقد ہوا۔

صدر محترم نے خطبہ صدارت میں فرمایا : ہم لوگ ہر سال آزادی کا دن مناتے ہیں لیکن اس کا جائزہ نہیں لیتے کہ ہم نے آزاد ہونے کے بعد کتنی ترقی کی۔ مجھے اس پر ہمیشہ افسوس ہوتا ہے کہ ہمارے ملک کے لوگوں کی زیادہ تعداد معمولی چیزوں کو اہمیت دیتی ہے اور بڑے کاموں کی طرف توجہ نہیں دیتی۔ ہمیں یہ اندازہ کرنا چاہیے کہ آزادی ملنے کے بعد اتنے سالوں میں کیا ٹھیک کام کئے اور کیا غلط۔ اردو شمالی ہندوستان اور دلی کے رہنے والوں کی بول چال کی زبان ہے لیکن مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ یہاں تقسیم کے بعد صورت حالات ایسی ہوگئی کہ اُردو کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا اور اس سلسلے میں ارباب اقتدار نے بڑی تنگ نظری کا ثبوت دیا۔

بہرحال اب حالات سدھر رہے ہیں اور پہلے کے مقابلے میں اُردو کے ساتھ سلوک اچھا کیا جارہا ہے۔ دلی کے رہنے والوں کی زبان بلا تفریق مذہب و ملت اُردو تھی اور ہے۔ ہمیں اردو پر ناز ہے۔ دلی سے اُردو کو کوئی بھی اور کبھی بھی نہیں ہٹا سکے گا۔ مجھے خوشی ہے کہ انجمن ترقی اُردو شاخ دلی کی طرف سے کچھ کام اُردو کے لئے ہوتا ہے لیکن خود اُردو بولنے والے انجمن ترقی اُردو کے ساتھ زیادہ تعاون نہیں کرتے اور صرف حکومت اور انجمن ترقی اُردو پر اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ جب تک کسی زبان کے بولنے والے خود اسکے لئے کام نہ کریں اس کی ترقی ہونی ممکن نہیں۔ اُردو والوں کو چاہیے کہ اپنا حق منوانے کے لئے وہ اپنے فرائض کا بھی خیال کریں، اور باہمی رنجشوں اور مصلحت پرستی کو چھوڑ کر اُردو کا کام کریں۔ پھر وہ دن دور نہیں کہ اُن کی جیت ہوگی۔

مشاعرے میں جن شعرائے کرام نے اپنا طرحی کلام سُنایا انکے اسمائے گرامی یہ ہیں :۔ طالب دہلوی، خار دہلوی، بہار برنی، رعنا اکبر آبادی، رفعت سروش، ظفر ادیب، عارف نقوی، ہیرا لال فلک، جمال بھارتی، ثاقب میرٹھی، امین برنی۔

آخر میں جنرل سکریٹری نے لالہ جی کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ مشاعرے کرنا انجمن ترقی اُردو کا کام نہیں، مگر یوم آزادی اور ایسے ہی کسی اور خاص موقع پر ہم بزم شعر و سخن آراستہ کرتے ہیں لیکن مجھے اس پر افسوس ہے کہ انجمن ترقی اُردو جو محض ایک علمی اور ادبی ادارہ ہے اس میں بھی سیاسی چالیں شامل ہوگئی ہیں، جب الیکشن یا کوئی اور ایسی چیز ہوتی ہے جس میں نمایاں ہونے کا موقع مل سکے تو ہمارے ممبروں کی اکثریت موجود ہوتی ہے۔ لیکن خالص علمی و ادبی نشستوں میں حاضری بہت کم ہوتی ہے اور انتظامیہ کمیٹی کے اراکین بھی زیادہ شرکت نہیں کرتے۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔

جنرل سکریٹری نے آخر میں اعلان کیا کہ انجمن کی آئندہ نشست ستمبر میں حضرت جگر مرحوم کی یاد میں ہوگی۔ (دفتری سکریٹری)

حضرت جگر کی یاد میں

ستمبر میں حضرت جگر کی وفات کو ایک سال ہوجائے گا۔ ان کی یاد میں اکتوبر کے رسالہ جامعہ میں مرحوم کی شخصیت اور ان کی شاعرانہ خصوصیات پر چند مضامین شائع کئے جائیں گے۔ نیز ان کی وفات کے بعد ان پر جو مضامین لکھے گئے ہیں اور جن رسالوں کے جگر نمبر شائع ہوئے ہیں ان کا جائزہ لیا جائے گا۔ ادیبوں اور ناشروں سے درخواست ہے کہ وہ اس سلسلے میں مدد کرکے ہمیں ممنون فرمائیں۔

۱۹۶۰ء میں اُردو ادب کی رفتار :۔ جنوری ۱۹۶۲ء میں رسالہ جامعہ کا ایک خاص نمبر شائع ہوگا جس میں ۱۹۶۱ء کی ادبی رفتار اور عالمی سیاسیات پر تفصیل سے تبصرہ کیا جائیگا۔ ادیبوں اور ناشروں سے درخواست ہے کہ ۱۹۶۱ء میں جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان کی تفصیلات سے مطلع فرمائیں اور جن کتابوں پر تفصیلی تبصرہ مقصود ہو انکے دو نسخے بھیجے جائیں۔

(عبداللطیف اعظمی، مرتب رسالہ جامعہ، جامعہ نگر، دہلی ۲۵)

اسلم شہاب رضوی

اُردو کے چند کوزی تجصوتیوں کا تجزیہ

ڈاکٹر گیان چند نے اپنے مضمون "اُردو کے چند کوزی تجصوتے" ہماری زبان' بابت یکم و ۱۵ راگست' میں ایک نہایت ہی دلچسپ بحث کا آغاز کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ تجصوتے 'ڈ' اور 'ڑ'، 'ڈھ' اور 'ڑھ' مختلف آوازیں ہیں اور ان میں یکسانیت نہیں پائی جاتی۔

ڈاکٹر گیان چند نے جن مضامین کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہیں:-

(۱) چودھری محمد نعیم کا مضمون "اُردو کے کوزی تجصوتے" 'اُردو ادب' بابت جون ۱۹۶۵ء۔

(۲) ڈاکٹر مسعود حسین خاں کا انگریزی رسالہ

A phonetic and phonological Study of word in urdu.

لیکن تاریخی ترتیب میں ڈاکٹر گیان چند سے لغزش ہوگئی ہے انھوں نے چودھری نعیم کے مضمون کو ترتیب میں پہلا نمبر دیا ہے جو کہ ۱۹۶۵ء میں چھپا تھا اور ڈاکٹر مسعود حسین کے رسالے کو دوسرا نمبر دیا ہے، حالانکہ وہ ۱۹۵۴ء میں شائع ہو چکا تھا۔ اس بحث کے سلسلے میں ان مضامین کا تاریخی ارتقار کافی اہمیت رکھتا ہے۔

صوت تجزیے کا بنیادی اصول "اختصار" اور "کفایت" (Economy) ہے نہ کہ "اصراف" اور "طوالت" اس لئے ہماری کوشش یہی ہونا چاہئے کہ اصول مذکورہ کو نظر میں رکھ کر اپنے خیالات کا اظہار کریں۔

'ڈ' اور 'ڑ' کی بحث شروع کرنے سے پہلے ان آوازوں کے بارے میں چند حقائق پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

(۱) اردو کی قدیم شکل یعنی دکنی میں 'ڑ' کی جگہ 'ڈ' کا بیشتر استعمال ملتا ہے مثلاً ملا وجہی کی "سب رس"

(۲) ماہر صوتیات کا خیال ہے کہ بندآوازیں (S. Tops) تبدیل ہو کر تھپک دار آوازوں (Flaps) کی شکل میں اُبھرتی ہیں۔

(۳) 'ڈ' اور 'ڑ' میں صوتی فرق صرف اتنا ہے کہ ان میں سے ایک بند آواز ہے اور دوسری تھپک دار۔ ان دونوں آوازوں کی صوتی مماثلت نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔

اس کے ساتھ ہی جدید اُردو میں عام رجحان دونوں میں اکثر جگہ آزادانہ تغیر (Free Variation) کا ہے دلی جو کہ اُردو کا مولد و منشا ہے بولیوں کے ایک ایسے سنگم پر واقع ہے جہاں 'ڈ' اور 'ڑ' آنکھ مچولی کھیلتے نظر آتے ہیں۔ بعض اوقات ان اصوات کا فرق خالصتاً سماجی ہو جاتا ہے یعنی ایک ہی علاقے میں بعض ذاتیں ایک صوت کا استعمال کرتی ہیں اور دوسری ذاتیں دوسری صوت۔ اُردو میں معیاری تلفظ کے تعین میں اس وجہ سے عرصے تک خلفشار رہا ہے۔

چودھری نعیم اور ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے ان دونوں اصوات کا بٹوارہ اس طرح سے کیا ہے:-

	ابتدا	درمیان	آخر
ڈ	✓	×	×
ڑ	×	✓	✓

ظاہری طور پر یہی نتیجہ اخذ کیا جائے گا کہ دونوں ہم رائے ہیں۔ لیکن یہ غلط ہے۔ چودھری نعیم نے اول تو 'ڈ' اور 'ڑ' کو ہم صوت قرار دیا ہے اور دوم یہ کہ جو مستثنیات ملتی ہیں ان کی طرف بھی اشارہ نہیں کیا ہے۔ اس کے برعکس ڈاکٹر مسعود حسین نہ تو 'ڈ' اور 'ڑ' کو ہم صوت قرار دیتے ہیں اور نہ ہی مستثنیات کو نظر انداز کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں 'ڈ' اور 'ڑ' کا عام رجحان تکمیلی بٹوارے (Complementary Distribution) کی جانب پایا جاتا ہے۔ تاریخی لسانیات کے نقطۂ نظر سے یہ حقیقت بھی ہے کہ 'ڑ' کا ارتقار 'ڈ' کے بعد ہوا ہے۔

ہمارے سامنے آخری مضمون ڈاکٹر گیان چند کا ہے ان کے مضمون کا لب لباب یہ ہے:-

	ابتدا	درمیان	آخر
ڈ	✓	✓	✓
ڑ	×	✓	✓

ہم اپنے خیالات و مشاہدات کا اظہار، چند الفاظ میں اس طرح کر سکتے ہیں۔

(الف) ڈ (۱) لفظ کی ابتدا میں ہر شکل میں مل جاتا ہے مثلاً ڈاکیہ، ڈولی، ڈایا، ڈنکا، ڈمرو وغیرہ۔

(۲) لفظ کے درمیان میں ہمیشہ مشدد یا پھر غنائی آواز کے بعد آتا ہے۔ جیسے گڈا، اڈا، کنڈی، ہنڈی، ڈنڈا، گنڈیری، جھنڈا وغیرہ۔ لیکن چند الفاظ ایسے بھی ملتے ہیں جو اوپر دی ہوئی شرط سے مستثنیٰ ہیں جیسے گڈریا، ڈوڈی اور اڈانا۔ لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ پہلے دو الفاظ کے دوسرے تلفظ بھی رائج ہیں مثلاً 'گڈریا' اور 'ڈوڈی'۔ "اڈانا" کا بھی دوسرا تلفظ "اڑانا" شمالی ہند میں رائج ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسے الفاظ کی تعداد بہت کم ہے اس لئے ان چند کے باوجود بادصف مذکورہ بالا فارمولا جو کہ صوتی کفایت کی طرف مائل ہے اس کی اہمیت قائم رہتی ہے۔

ڈاکٹر گیان چند نے مرکب الفاظ کو بھی اس بحث میں مددگار و معاون بنایا ہے جیسے

ڈگڈگی، گڑبڑ، لاڈلا، ہنڈرد وغیرہ۔ ان کے خیال میں مرکبات کسی زبان کے صوتی تجزیے میں شامل کیے جانے چاہئیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے پاکٹ، بلاک اور سٹریگر کو سند کے طور پر پیش کیا ہے۔ انھوں نے انگریزی الفاظ bagged اور bags کی مثالیں دی ہیں مگر "ی" یا "ed" یہاں bound form ہیں۔ ان کی موجودگی سے لفظ کا اشتقاق تو ہو سکتا ہے پر لفظ کو مرکب نہیں بنا دیتے۔ بلاک اور ٹریگر کی تصنیف سے جو مثالیں انھوں نے دی ہیں یعنی halpin, Shotgun وغیرہ یہ بھی درست نہیں تسلیم کی جا سکتیں۔ اول تو جن صفحات کا انھوں نے حوالہ دیا ہے وہاں مرکبات سے بحث نہیں کی گئی ہے، اور دوم یہ کہ یہ مثالیں صرف (t) کے سلسلے میں پیش کی گئی ہیں۔ وہ بھی اس لئے کہ انگریزی میں (t) کی تین مختلف شکلیں پائی جاتی ہیں اور اس کی ایک شکل [t˺] "unreleased" کی مثال درمیان میں صرف مرکب الفاظ میں مل سکتی ہے۔ لہٰذا یہ الفاظ محض مثال کے طور پر استعمال ہوئے تاکہ طالب علم کے ذہن میں یہ بات صاف ہو جائے۔

(۳) لفظ کے آخر میں 'ڈ' صرف غنائی آواز کے بعد پایا جاتا ہے۔ جیسے جھنڈ، ٹھنڈ، ڈنڈ، سانڈ وغیرہ۔ یہاں بھی چند الفاظ مستثنیٰ ہیں جیسے لاڈ، اڈ، اجڈ اور کھڈ۔ لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ 'لاڈ' کا دوسرا تلفظ 'لاڑ' اور 'اڈ' کے دوسرے تلفظ 'امنڈ' اور 'اڑ' بھی ہم کو مل جاتے ہیں۔ جہاں تک 'اجڈ' اور 'کھڈ' کا سوال ہے ڈاکٹر مسعود حسین نے اپنے رسالے میں لکھا ہے کہ پراکرت کی سطح پر ان کا تلفظ 'اجنڈ' اور 'کھنڈ' رہا ہے۔ اور یہ تلفظ ہندی رسم خط میں بعض اوقات ظاہر بھی کیا جاتا ہے وہیں کے آس پاس کی بولیوں میں بھی یہ تلفظ رائج ہے۔

(۴) مشدد صورت میں 'ڈ' سے پہلے آنے والا مصوتہ ہمیشہ چھوٹا (Short) ہوگا۔

(۵) 'ڈ' سے قبل کا مصوتہ بھی چھوٹا مصوتہ ہوگا علاوہ 'سانڈ' کے جس کا دوسرا تلفظ 'ساڑ' بھی رائج ہے۔

(ب) ڑ　(۱) لفظ کی ابتدا میں نہیں پایا جاتا۔

(۲) لفظ کے درمیان میں ہر شکل میں ملتا ہے مثلاً پڑا، کھڑا، کوڑا، چوڑی، گاڑی وغیرہ۔ 'ڈ' کی طرح اس کے قبل آنے والے مصوتے کے ساتھ کوئی قید نہیں ہے وہ چھوٹا بھی ہو سکتا ہے اور لمبا بھی۔ اور نہ ہی 'ڈ' کی طرح اس کے قبل آنے والی آواز غنائی ہو سکتی ہے۔ یہ مشدد صورت میں بھی نہیں ملتا جب کہ 'ڈ' کے ساتھ یہ شرط نہیں ہے۔

(۳) لفظ کے آخر میں ہر شکل میں پایا جاتا ہے علاوہ مشدد شکل کے یا پھر غنائی آواز کے بعد۔ مثلاً توڑ، چھوڑ، گڑ، سڑ، گاڑ وغیرہ۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس کے قبل آنے والے مصوتے کے ساتھ کوئی قید نہیں ہے، 'ڈ' کے سلسلے میں جو مثالیں پیش کی گئی ہیں، ان میں صرف 'لاڈ' ہی ایسا لفظ ہے جس کے قبل کا مصوتہ لمبا ہے ورنہ تمام مصوتے چھوٹے ہیں۔

ان تمام مشاہدات کو نظر میں رکھ کر آخر میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ 'ڈ' اور 'ڑ' چند مستثنیات کے ساتھ تکمیلی بٹوارے میں ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر صوتی تجزیے کا بنیادی اصول 'کفایت' ہمارے سامنے نہ ہوتا تو کسی حد تک ہم بھی ڈاکٹر گیان چند کے ہم رائے ہوتے۔ اس طرح ہماری اس بحث کا لب لباب یہ ہو سکتا ہے۔

	ابتدا	درمیان	آخر
ڈ	✓	× (مستثنیات کے)	× (مستثنیات)
ڑ	×	✓	✓

'ڈھ' اور 'ڑھ' کے بارے میں بھی ڈاکٹر گیان چند کی رائے ہے کہ وہ متضاد آوازیں ہیں، اسی لئے انھوں نے ان آوازوں کا بٹوارہ مندرجہ ذیل طور پر کیا ہے۔

	ابتدا	درمیان	آخر
ڈھ	✓	✓	✓
ڑھ	×	✓	✓

ان آوازوں کے بارے میں ہمارا مشاہدہ مندرجہ ذیل ہے۔

(الف) ڈھ　(۱) لفظ کی ابتدا میں ہر شکل میں ملتا ہے۔ مثلاً ڈھولک، ڈھال، ڈھکوسلا، ڈھنگ، ڈھول وغیرہ۔

(۲) لفظ کے درمیان میں ڈھ یا تو مشدد شکل میں ملے گا یا پھر غنائی آواز کے بعد مثلاً گڈھا، اڈھا، مونڈھا، منڈھا وغیرہ۔ لیکن یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ ان الفاظ میں بیشتر کے

دوسرے تلفظ بھی ہم کو مل جاتے ہیں جیسے گڑھا، بوڑھا، موڑھا، منڈھا۔

ڈاکٹر گیان چند نے معیاری الفاظ جیسے منڈھال اور منڈھ بھیڑ مثال کے طور پر پیش کئے ہیں۔ اس کے لئے ہم ایک بار پھر اپنی بات دہرائیں گے کہ مرکبات کو شہادت کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔ ان الفاظ کے علاوہ جو دوسرے الفاظ مثلاً گڈھب بڈھر اڈھری وغیرہ درج کئے ہیں وہ قطعی کتابی ہیں، ان کا استعمال اگر کیا جائے تو نہیں کے برابر ہے۔

(۳) لفظ کے آخر میں 'ڈھ' نہیں ملتا۔

ڈاکٹر گیان چند نے لفظ "ڈھونڈھ" مثال کے طور پر پیش کیا ہے، لیکن وہ اس بات کو نظر انداز کر گئے ہیں کہ لکھنے اور بولنے میں بہت فرق ہے۔ لوگ بولتے وقت اس کا تلفظ 'ڈھونڈ' ہی کرتے ہیں۔ پھر بھی اگر ڈاکٹر گیان چند تحریر کی بنا پر 'ڈھونڈھ' کو تسلیم کرتے ہیں تو پھر 'اجڈ' اور 'کھنڈ' سے بھی گریز نہیں کیا جاسکتا۔

ڈاکٹر گیان چند نے اپنے مضمون میں چودھری نعیم کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ڈھ "ڈھونڈھنا" میں درمیانی مصمتی خوشے میں رکن اول ہے۔ لیکن ڈھونڈھنا میں اول تو صرف دو ہی رکن ہیں۔ رکن اول 'ڈھونڈ' اور رکن ثانی "نا" درمیانی رکن کوئی نہیں ہے۔ غالباً تحریر کے انداز سے ڈاکٹر گیان چند کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ ڈھ، درمیانی مصمتی خوشے کا رکن اول ہے۔

لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم چودھری نعیم کے ہم رائے ہیں۔ ہمیں ڈاکٹر گیان چند کی رائے سے اتفاق ہے۔ اس ضمن میں لفظ "ڈھنڈھورا" پیش کیا جاسکتا ہے۔

(ب) ڑھ   (۱) لفظ کی ابتدا میں نہیں ملتا۔

(۲) لفظ کے درمیان ہر شکل میں پایا جاتا ہے۔ جیسے چڑھا، بوڑھا، کوڑھی، کڑھائی وغیرہ "ڈھ" کی طرح درمیان میں کبھی تشدید کے ساتھ نہیں ملتا اور نہ ہی اس کے پہلے غنائی آواز ملتی ہے۔

(۳) لفظ کے آخر میں ڑھ ہر شکل میں ملے گا جیسے کوڑھ، گڑھ، پڑھ، کاڑھ وغیرہ۔

ان مشاہدات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ "ڈھ" اور "ڑھ" متضاد آوازیں نہیں ہیں، اور کسی حد تک ہم صوت قرار دی جاسکتی ہیں۔ درمیان میں دونوں آوازیں ملتی ہیں لیکن وہاں بھی یہ تکمیلی بٹوارے میں ہیں۔ بہرحال آخر میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ:

	ابتدا	درمیان	آخر
ڈھ	✓	×	×
ڑھ	×	✓	✓

"ڈ، ڑ" اور "ڈھ، ڑھ" اردو کے جداگانہ فونیم ضرور ہیں لیکن تاریخی اور توضیحی لسانیات دونوں کے اعتبار سے ان میں ایک قریبی رشتہ ملتا ہے۔ اگر ہم مستثنیات کا تفصیلی ذکر کردیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کا عام رجحان تکمیلی بٹوارے کی جانب ہے۔ یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ امریکہ کے بعض ماہرین لسانیات اردو اور ہندی کی ہاکاری (aspirated) اور غیر ہاکاری (unaspirated) کا رشتہ ڈھونڈھنے کے درپے ہیں اور اس سلسلے میں اختصار اور کفایت کے اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کو ایک صوتی فارمولے میں ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

پبلشر نذیر حسن پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا۔